

مکتوبات مجدد الف ثانی

از جناب مفتی عتیق الرحمن عثمانی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳ شوال ۸۰۹ھ مطابق ۵ جون ۱۵۶۲ء کو ہوئی اور وفات ۲۸ صفر ۸۴۶ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۶۲۳ء عیس، آپ کا پورا نام ابو البکر احمد بدالدین ہے اور لقب امام ربانی مجدد الف ثانی، مجدد صاحب کے چھٹے دادا امام فیض اللہ فیروز شاہ تغلق کے دور میں سرسبز آباد ہوئے، امام ربیع الدین اپنے وقت کے صاحب علم و فضل بزرگ تھے اور ان کی اولاد بھی صلاح و تقویٰ اور علم کے زیور سے آراستہ رہی، حضرت مجدد صاحب کے والد بزرگوار کا نام مخدوم عبدالاحد ہے، مخدوم خواجہ عبدالاحد جدِ عالم اور پاک باز صوفی تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہات پر بیعت کی اور خلافت شیخ گنگوہیؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ سے حاصل کی، مخدوم عبدالاحد کے سات صاحبزادوں میں مجدد صاحب جو تھے صاحبزادے ہیں، مجدد صاحب کی پیشانی پر پچھن ہی سے ہوش مندی اور دکاوت و نجابت کے آثار نمایاں تھے، پچھن میں ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے، آپ کی والدہ ماجدہ نے اس وقت کے بزرگ شیخ کمال قادری کیتھل سے دعا صحت کی درخواست کی، شاہ صاحب نے دعا کی اور فرمایا پریشان نہ ہو، یہ بچہ بڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بڑے بڑے کام لے گا، نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور پھر اپنے والد ماجد خواجہ عبدالاحد دومرے علماء سے محنت، لگن اور مکمل

انہماک سے مروجہ کتابیں پڑھیں، ۱۷ سال کی عمر میں تمام کتبِ درسی سے فراغت حاصل کر لی اور والد سے تجدیدِ بیعت کی، مجدد صاحب کی جو کیفیتِ علومِ ظاہری کی تحصیل کے وقت تھی وہی کیفیتِ مراحلِ سلوک طے کرنے کے وقت رہی، چنانچہ مدارجِ تصوف سے جلد جلد گزرتے چلے گئے اور ان منازل کی تکمیل کے بعد والد صاحب نے آپ کو سندِ خلافتِ مرحمت فرمادی۔

سنہ ۱۱۸۷ھ کے ارادے سے دہلی پہنچے اور آپ کی ملاقات شیخِ حسن کشمیری سے ہوئی، شیخِ حسن مجدد صاحب کی طالبِ علمی کے زمانے کے دوست اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، ان کو مجدد صاحب کے رجحانات کا اندازہ تھا کہ طریقہ نقشبندیہ سے تلبی لگاؤ ہے اور کسی مرشدِ کامل کی تلاش میں رہتے ہیں، اسی بنیاد پر شیخِ حسن نے اپنے مرشد کا ذکر کیا اور خواہش کی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملاقات کریں، مجدد صاحب ان کے ساتھ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، دونوں صاحبِ کمال تھے اور دونوں کے دل انوارِ الہی سے منور تھے، ملاقات کے ساتھ ہر ایک کی حالت و کیفیت دوسرے پر منکشف ہو گئی اور اس طرح آپ کی دیرینہ آرزو برآئی اور حضرت خواجہ صاحب کے سلسلہ میں داخل ہو گئے دو اڑدھائی سال کی مدت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالات کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیا یہاں تک کہ خواجہ صاحب نے اپنے تمام مریدوں کو آپ کی تربیت میں دے دیا، خواجہ صاحب کا ۲۵ جمادی الآخری ۱۱۹۷ھ کو وصال ہو گیا اور مجدد صاحب سرہند واپس تشریف لے آئے۔ حضرت مجدد صاحب کا دورِ اکبر اور جہانگیر کی شوکت و سطوت کا دور تھا۔ مغل سلاطین کے اس دور میں آپ نے حق کی شان اور صداقت کی آہن قائم رکھنے کے لئے ہر طرح کے مصائب برداشت کئے یہاں تک کہ دو سال تک تلوار گویا ریشم میں تید بھی نہ ہوا آخر وقت کے اقتدارِ اعلیٰ کو

اگست ۱۳۷۳ھ

۱۲۹

آپ کی عزیت کے سامنے جھکنا پڑا اور اعلیٰ کلمۃ الحق کے لئے آپ نے جو راہ اختیار کی تھی زندگی کے آخری لمحات تک اُس پر ایک مضبوط چٹان کی طرح جمے رہے، زیرِ نظر ریڈیائی تقریر حضرت مجدد صاحب کے حالات و سوانح اور مجددانہ کارناموں کی تفصیل پر نہیں صرف مکتوبات اور ان کی خصوصیات پر ہے، ریڈیو سے جو تقریریں نشر ہوتی ہیں، مختصر بھی ہوتی ہیں اور ان کا رنگ بھی جدا ہوتا ہے، امید ہے قارئین اس تقریر کو اسی نظر سے پڑھیں گے۔

عقیق الرحمن عثمانی

ہندوستان میں اسلامی دور کے ملفوظات اور مکتوبات کا معتبر و مستند سرمایہ بہت کم ہے، ملفوظات و مکتوبات دونوں میں تحریف و تبلیس کا امکان زیادہ ہوتا ہے، ملفوظات کے بہت سے مجموعے جنہیں لوگ مستند سمجھتے ہیں فی الحقیقت بے اصل اور موضوع ہیں۔ حضرت شیخ نعیر الدین چراغ دہلویؒ کی اس جعلی لٹریچر کے متعلق یہ رائے تھی: ”در آں بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشان نیست“ اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی معتبر مجموعہ ملفوظات و مکتوبات سامنے آگیا ہے تو اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی اثر آفرینی سے پورے ماحول اور سماج کو متاثر کیا ہے بلکہ دلوں کی دنیا بدل دی ہے، شہنشاہِ مخن امیر خسرو نے امیر حسن علاء بخاری کے مرتب کردہ مجموعہ ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ ”فوائد الفوائد“ کے متعلق بے اختیار کہہ دیا تھا ”کاش کہ تمامی کتب کہ مریدان صرف کردہ امیر حسن را بودے، و ملفوظات سلطان المشائخ جمع کردہ است را بودے“ یعنی کاش میری تمام تصنیفات جن کی ترتیب و تدوین پر عمر کا بہترین حصہ صرف ہوا ہے برادر امیر حسن کی ہوتیں اور صرف ان کے جس کئے ہوئے سلطان المشائخ کے ملفوظات میرے ہوتے۔“ بہر حال بہت تھوڑے حضرات ایسے ہیں جن کے ملفوظات اور مکتوبات کو سبب اعتبار و محبت اور نعمت مقبولیت حاصل ہو سکی ہو، حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرحدیؒ کے مکتوبات ہمارے ملک کے اسلامی دہ کے سب سے قیمتی، سب سے محفوظ اور

ضخیم و عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، معرفت و تصوف کی چند ہی کتابوں کو وہ شہرت و عظمت اور قدر و منزلت حاصل ہوئی ہے جو مکتوباتِ امام ربانی کے حصے میں آئی، مجددِ صاحب کی حیات ہی میں ان کے خطوط کی نقلیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لیل و نہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود آج بھی ان کی اہمیت و مقبولیت کا یہی عالم ہے، فارسی سے دوسری زبانوں میں ترجموں کے علاوہ روس کے ایک کئی مہاجر مآثراد نے عربی میں ان کا ترجمہ کیا جو ٹائپ میں چھپ کر تمام عرب ممالک میں پہنچ گیا، عربی زبان میں اشاعت کے بعد حدیث و تفسیر کی کتنی ہی کتابوں میں مکتوبات کے مضامین نقل کئے گئے، علی الخصوص سلطان عبدالحمید خاں ترکی خلیفہ کے عہد کے مشہور و مقبول عالم علامہ سید محمود آلوسی کی تفسیر ”روح المعانی“ میں تو اس کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے کہ جس جگہ بھی ان مکاتیب کے ذکر کا موقع آجاتا ہے ”قال المجدد الفاروقی“ کے نام سے آپ کے خاص خاص نظریات اور تعبیرات کو بڑے اہتمام سے پیش کرتے ہیں اور اہم تر مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان مکتوبات کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ ایک طرف ان کے مضامینِ عالیہ کی اثر انگیزی، ان کی انقلابی اور اصلاحی اسپرٹ، صاحبِ مکتوبات کی وسیع و عمیق علمیت اور روحانی شرف و فضیلت ہے، دوسری طرف ان کا اچھوتا اور دل نشین طرزِ تحریر ہے۔ مکتوبات کو پڑھ کر یہ حقیقت پوری طرح جلوہ گر ہو جاتی ہے کہ حضرت مجدد، ایک مجددِ وقت، ایک دانائے روزگار حکیم، ایک بلند پایہ عالمِ دین اور ایک بیدار قلب و روحانی پیشوا ہی نہیں تھے بلکہ اول درجہ کے انشاء پرداز بھی تھے، جن کی تحریر میں ادب و انشاء کی نزاکتیں اور لطافتیں موجود ہیں۔ وہ تحریرِ خطوط کے وقت تحریر کی انشائی اور ادبی باریکیوں پر مبصرانہ نظر رکھتے تھے، ان کے مکتوبات کے بڑے حصے میں علمی، دینی اور حکمت و معرفت کے مسائل ہیں اور ان پر متفقہ بحثیں ہیں، ان کے بیان کے لئے انھوں نے وہی عالمانہ تحقیقی طرزِ تحریر اختیار کیا ہے جس میں کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی اور حقائق ادا ہو جائیں، وہ اگرچہ ادبِ تصوف

اگست ۱۹۷۷ء

۱۳۱

اور اصحاب باطن کی مروجہ اصطلاحیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور اسی لئے ناواقف لوگوں کو بعض مطالب کے سمجھنے میں دشواری بھی پیش آتی ہے، لیکن ان میں ثقیل الفاظ بہت کم ہیں، خاص طور پر ان خطوط کی زبان جو عقیدوں کی وضاحت یا بتدلیوں اور نوجوان طالبوں کے لئے لکھے گئے ہیں نہایت سلیس، سبک اور عام فہم ہے۔ مکتوبات کا ایک حصہ ہم عصر اُمراء کے نام ہے، اس میں ان امیروں اور دولت مندوں کو روج شریعت کی حفاظت اور دین حق کی مدد کی تلقین کی گئی ہے، اس طرح کے تمام مکاتیب کا انداز تحریر علی خطوط سے قطعی طور پر مختلف ہے، ان خطوط میں عالمانہ بھاری بھر کم اصطلاحیں کم ہیں، الفاظ اگرچہ روحانیت کے پر شکوہ قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں لیکن سربیع الفہم ہیں، آسانی سے اُن کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، اس کے باوجود اسلوب بیان میں خطیبانہ جوش اور داعیانہ ولولہ ہے، ان خطوط کا ایک ایک لفظ روحانی تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہ تمام خطوط دل پاک باز سے نکلے ہوئے جذبات کا صاف و شفاف آئینہ ہیں اس لئے قدرتی طور پر ان کا اثر براہ راست باطن پر پڑتا ہے اور دل کی گھنٹیں کھلتی چلی جاتی ہیں، پیش نظر مقصد کی تشریح کے لئے کہیں کہیں کوئی نفیس شعر یا شعر کا کوئی مصرعہ بھی استعمال کرتے ہیں جس سے مضمون کی دل نشینی اور اثر انگیزی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، اسی کے ساتھ الفاظ کے موزوں انتخاب اور تقابیل کے حسن کا بھی پورا خیال رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قلم کی ادبی اور روحانی طاقت سے ایک عظیم اور زبردست سماجی انقلاب کی آبیاری کی، ایک پورے عہد کو بدل ڈالا اور ایک نئے عہد اور اُس کی لطافتوں اور انگلیوں کو پیدا کیا۔ اُن کے دامنِ حقیقت کے والہنگان میں درویش بھی ہیں اور صوفی بھی، سالک بھی ہیں اور مجذوب بھی مادہ پرست فلسفی بھی ہیں اور عارفینِ حق اور کاملینِ حکمت و معرفت بھی، نامور فاتحین بھی ہیں اور صاحبِ سطوت اُمراء بھی۔ آئیے اس پس منظر کی روشنی میں ان کے مکتوبات پر ایک ہلکی سی نظر ڈالیں۔

حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کے تین دفتر اور تین حصے ہیں، حضرت خواجہ باقی باللہ کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کے بعد ان مکاتیب کی ابتداء ہوئی، کم و بیش چار سال کی مدت میں بیس خط اپنے پیروم شد کو لکھے، ان مکتوبات کی حیثیت باقی خطوط کے سرنامے کی ہے، اس طرح تحریر خطوط کی ابتداء ۱۱۲۸ھ سے ہوئی ہے۔ مکتوبات کے پہلے دفتر کے جامع اور مرتب مولانا یار محمد الہدیہ البخش الطالقانی ہیں، ۱۲۵۰ھ میں مکتوبات شریف کی تعداد ۳۱۳ ہو گئی تو تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق حضرت مجدد صاحب نے مولانا یار محمد سے فرمایا کہ خطوط کی یہ تعداد اصحابِ بدر کی تعداد کے برابر ہو گئی ہے، بہتر ہو کہ اس دفتر کو اسی تعداد پر ختم کر دو، اس کے بعد خطوط مبارک کو مولانا عبدالحی حساری نے جمع کرنا شروع کیا، ۱۲۵۸ھ میں دفتر دوم کے خطوط کی تعداد ۹۹ ہو گئی تو ارشاد ہوا کہ اس کا حسن کی تعداد بھی یہی ہے۔ اس حصے میں بھی تعداد رہے۔

تیسرے مرحلے میں آپ کے خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے یہ خدمت انجام دی، یہاں تک کہ جب خطوط کی تعداد ۱۱۳۳ ہو گئی تو فرمایا، قرآن مجید کی سورتوں کی بھی یہی تعداد ہے، تیرکا ویتنا اس حصے کو اسی عدد پر ختم کر دو، یہ سلسلہ حرکتا واقع ہے، بعد میں اس تیسرے حصے میں چند مکاتیب کا اور اضافہ ہوا، دفتر اول کا نام دُرُ المَعْرِفَت، دفتر دوم کا نام نور الخلائق اور دفتر سوم کا نام معرفۃ الخلائق ہے۔

مجدد صاحب کی شخصیت کی طرح اُن کے خطوط کا یہ عظیم الشان ذخیرہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا، اُن کے طرزِ تحریر میں قوس قزح کے سارے رنگ جمع ہو گئے ہیں، کہیں زورِ خطا ہے، کہیں مشکلانہ اور فقیہانہ موثر گافی اور کہیں انتہائی علمی متانت و وقار اور ہر منزل میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت اور اندازِ بیان کی اہمیت کا احساس، — شریعت و طریقت اور حقائق و معرفت کے اس بحرِ ذخار کو اگر مختصر عنوانوں میں یکجا کرنے کی کوشش کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مکتوبات کا بنیادی تعلق تین عنوانوں سے ہے (۱) دینی،

(۲) سماجی اور اصلاحی (۳) سیاسی - دینی مکاتیب میں تصوف کے نازک اور اچھے ہوئے مسائل کو آپ نے جس حسن و خوبی اور تحقیق و بصیرت سے حل فرمایا ہے اس کا پڑھنے سے تعلق ہے، ایک مکتوب میں عالم مثال کے متعلق لکھا ہے، یہ عالم صرف دیکھنے کی جگہ ہے، رہنے کی نہیں، کیونکہ یہ عالم روح اور عالم جسم کے درمیان میں ہے اور آئینہ کی طرح ہے، اس میں الہی دونوں عالموں کا عکس نظر آتا ہے - توحید وجودی اور توحید شہودی کے مسئلے پر معرکہ المارامباحثہ و تحقیقات ہیں، آپ نے ان مغالطہ انگیز بحثوں کو زیادہ سے زیادہ دل پذیر بنانے کی کوشش کی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ”بے شبہ توحید وجودی کا مقام سالک کو پیش آتا ہے لیکن یہ مرحلہ اول ہوتا ہے، انتہائے سفر نہیں ہے، اس مقام میں سالک نے شرابِ محبت کا جام پی لیا جس نے اس کو مدہوش کر دیا ہے، اس کو نہ اپنی خبر ہے نہ دوسروں کی، جب تک بے ہوش رہے گا اس کو محبوب حقیقی کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، اس مقام کی بے ہوشی اتنی پرکھیں اور رنگین ہے کہ اس سے بچنے کو جی نہیں چاہتا، اس مقام کے بعد عالمِ ظلال اور عالمِ خاں ہے، یعنی بے ہوشی اور ہوش کے درمیان کی حالت، اس مقام اور حال میں سالک نہ پورے ہوش میں ہوتا ہے نہ پوری مدہوشی میں، اس عالم کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے - اس کے بعد کامل ہوش اور صحو کا مقام آتا ہے، اس کا نام مقامِ عبدیت ہے، یہ انکساری اور خاکساری کا مقام ہے، اس مقام پر بندہ بندہ ہے اور خالق خالق ہے، یہی مقام حضراتِ انبیاء کا ہے، جن کے اللہ کی مخلوق کی رہنمائی اور ہدایت وابستہ ہے، اس منصب پر وہی فائز ہو سکتا ہے جو کامل ہوش میں ہو، اس مقام پر پہنچنے کے بعد سالک راہِ طریقت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدہوشی کے پہلے مقام میں اس کی زبان پر ”تو ہی تو“ کا جو نعرہ تھا وہ شرابِ محبت کا اثر تھا، بنا بریں یہ توحید صرف شہودی ہے، حقیقی اور وجودی نہیں“ وحدۃ الوجود کا سہارا لے کر بعض نام نہاد صوفیوں نے، اتحاد و طول کی مصیبت اور گمراہی کھڑی کر دی تھی، حضرت مجدد صاحب نے اس زندہ اور اتحاد کے خلاف بھی زبردست جنگ کی اور اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں

کے ساتھ حق کو واضح کیا، اس سلسلے میں اُن کے بہت سے خطوط مطالعہ کے لائق ہیں۔ مکتوب ۴۲ دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں، جو حضرات وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہیں اُن کا شمار اولادِ ہرگز یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں اس کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور حق تعالیٰ مرتبہ تنزیہ سے اکثر کردارہ تشبیہ میں آگیا ہے اور واجب ممکن بن گیا ہے، یہ سب کچھ الحاد اور گمراہی ہے، ہمہ اوست، کے معنی ایسی کہ صرف وہی موجود ہے اور سب نیست ہیں۔ مکتوب ۸۹ دفتر سوم میں لکھتے ہیں ”جو صوفیائے کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور علول و سرایان ثابت نہیں کرتے، وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلیت کے اعتبار سے کہتے ہیں وجود و تحقق کے لحاظ سے نہیں، اگرچہ اُن کی عبارتوں اور بیانات سے اتحاد وجود کا شبہ ہوتا ہے لیکن ان کی مراد ہرگز یہ نہیں، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی ہے، اس لئے ہمہ اوست کے معنی، ہمہ از دست“ ہی کے ہیں یعنی ظہور و شہود جو کچھ ہے اسی سے ہے۔ حضرت مجددِ حساب کی ٹھوس اور خاموش انقلابی تحریک کا ہلکا سا نقشہ مکتوب ۶۵ دفتر اول، مکتوب ۸۱ دفتر اول، مکتوب ۶۷ دفتر دوم، مکتوب ۴۷ دفتر اول اور مکتوب ۵۴ دفتر سوم اور اسی طرح کے بہت سے خطوط سے سامنے آجاتا ہے۔ خانِ جہاں جو سلطانِ وقت جہانگیر کے مقربانِ خاص میں تھے اُن کو ایک طویل مکتوب میں لکھتے ہیں۔ دیکھو بادشاہ مثلِ روح کے ہوتا ہے اور باقی انسان بمنزلہ جسم کے، روحِ ٹھیک ہے تو جسم بھی صحیح سلامت ہے، روح میں خرابی آجائے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے، ضروری ہے کہ بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرو کہ یہی تمام لوگوں کی اصلاح کی کوشش ہے۔ ایک خط میں شیخ فرید کو جو بارگاہِ سلطانی کے ممتاز مقربین میں شامل تھے، تحریر فرماتے ہیں ”حاکمِ وقت کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو پورے بدن سے دل کو ہے، دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے، دل میں فساد آیا تو بدن اور جسم بھی فاسد ہو جائے گا۔ کہنے کی بات یہ ہے کہ بادشاہ کی اصلاح و فساد سے دنیا کا اصلاح و فساد وابستہ ہے۔“ اسی طرح عام ماحول اور مملکت کی اصلاح کے سلسلے میں بھی بہت سے خطوط ہیں، مکتوباتِ مجدد الف ثانی کی یہی وغیرہ

اگست ۱۳۵۷ھ

۱۳۵

خصوصیات ہیں جنہوں نے ان کو ”ادبِ ملفوظ“ کی تاریخ میں بے مثال بنا دیا ہے۔ آخر میں علامہ اقبال کے اشعار بھی سنتے جائیے جو انہوں نے حضرت مجدد صاحب کے مزار پر ان کی شان میں کہے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر وہ خاک کہ ہے زیرِ ریز میں مطلعِ الوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستار اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ حمزہ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے جس کے نفس گرم سے ہے گزئی احوار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار
(آل انڈیا ریڈیو کے شکریے کے ساتھ)

انتخاب الترخیب والترتیب

مولفہ: حافظہ محدث ذکی الدین المنذریؒ

ترجمہ: مولوی عبد اللہ صاحب دہلوی

اعمالِ خیر پر اجر و ثواب اور بد عملیوں پر زجر و عتاب پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس مضمون پر المنذریؒ کی اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے، اس کے متعدد تراجم ہوئے مگر نامکمل ہی شائع ہوئے کتاب کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ اصل متن، تشریحی ترجمہ اور حواشی کے ساتھ طاکر لایا جائے۔ ندوۃ المصنفین نے نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے۔ صفحات ۴۵۰ قیمت -/۱۲ جلد -/۱۳

لئے کاہتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی